© rasailojaraid.com

عرف وعادت

اشہد رفیق ندوی
علی گڑھ

شریعت اسلامی کے ضمنی ماخذ میں ایک اہم ماخذ عرف وعادت ہے۔ فقہ اسلامی کی وسعت وہمہ گیری اور دوامی حیثیت کو زندہ وتابندہ رکھنے میں اس نے بڑا موثر کردار ادا کیا ہے۔

معنی ومفہوم: عرف کا لغوی معنی نمایاں چیز، بلندی، جود وسخا اور پسندیدہ قول وعمل ہے اور عادت، طور وطریقہ اور بار بار ایک ہی کام کرنے کو کہتے ہیں۔ قرآن وسنت اور کلام عرب دنوں میں اس کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے۔ یہ الفاظ اب شریعت اسلامی کی اخلاقی وقانونی اصطلاح بن گئے ہیں، یہاں اسی کی تشریح وتفصیل مقصود ہے۔

فقہاء نے عرف وعادت کی مختلف تعریفیں کی ہیں: ''العرف والعادة مااستقر فی النفوس من جهة العقول وتلقته الطبايع السليمة بالقبول (۱) عرف وعادت وہ ہے جو ذہنوں میں راسخ ہوجائے اور جسے فطرت سلیمہ قبول کرے۔

مشہور معاصر فقیہ خلاف نے اپنے جچے تلے الفاظ میں جو تعریف کی ہے اس میں مزید وسعت وجامعیت پیدا ہوگئی ہے۔

العرف ماتعارفه الناس وساروا عليه سواء كان قولا اوفعلا او تركا(۲) عرف وہ ہے جو لوگوں میں عام ہوجائے اور لوگ اس پر عمل پیرا ہوجائیں، قول وفعل اور ترک سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

عرف وعادت کو عام طور سے مترادف سمجھا جاتا ہے لیکن بعض فقہاء نے دونوں کے درمیان یہ لطیف فرق بیان کیا ہے کہ لفظ عادت کا تعلق انفرادی طریقہ کار یا ایسے عمل سے ہوتا ہے جو بار بار کرنے کی وجہ سے کسی شخص کی فطرت ثانیہ بن گیا ہو۔ جب کہ عرف کا اطلاق اجتماعی عادت اور پوری قوم یا طبقے کے درمیان پائے جانے والے عمل اور رواج سے ہوتا ہے۔ (۳)

قرآن وسنت سے عرف وعادت کا ثبوت: عام طور سے عرف وعادت کے ماخذ شریعت ہونے کے سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے: ﴿خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين﴾ (الاعراف: ۱۹۹) درگزر سے کام لو، معروف کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں اگر چہ عرف کے اصطلاحی معنی کے بجائے لغوی معنی معروف ومتعارف مراد ہے لیکن ان دونوں میں اس حیثیت سے مناسبت ہے کہ فقہی اصطلاح میں بھی اس کو عرف کہتے ہیں جو معروف ومتعارف ہو چکا ہو اور اسے لوگوں نے پسند کرلیا ہو، چنانچہ لفظ عرف کی تفسیر حضرت عروۃ وقتادۃ نے معروف سے کی ہے۔ علامہ جصاصؒ نے ان حضرات کے اقوال نقل کرنے کے بعد ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "معروف وہ ہے جس کا کرنا عقلی طور پر پسندیدہ ہو اور عقل سلیم رکھنے والوں کے نزدیک ناپسندیدہ بھی نہ ہو۔" (۴)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ اثر موقوف بھی اس کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے: ما راه المومنون حسنا فهو عندالله حسن (۵) جس بات کو عام مسلمان اچھا سمجھ لیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہ اچھی ہوتی ہے۔

مذکورہ آیت وروایت کے علاوہ بے شمار ایسے دلائل ہیں، جن سے صراحۃً اور دلالۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے عرف وعادت کو بھی ایک قانونی ماخذ قرار دیا ہے۔

قانونی احکام کے ضمن میں قرآن نے "معروف" کا لفظ بکثرت استعمال کیا ہے۔ فقہاء ایسی تمام آیات کو عرف وعادت کے استعمال کی دلیل مانتے ہیں، چنانچہ طلاق نکاح، وصیت، اجرت اور رضاعت وغیرہ کے سلسلے میں اس طرح کی متعدد آیتیں موجود ہیں۔ اس کی ایک مثال اجرت رضاعت والی آیت ہے: ﴿وعلى المولودله رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾ (البقرہ: ۲۳۳) باپ کے اوپر ان کا کھانا اور کپڑا عرف ودستور کے مطابق ہے۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ جصاصؒ نے لکھا ہے کہ "جب عورت یہ زیادتی کررہی ہو کہ عام طور پر عرف میں اس کے ہم جنسوں کے لئے جتنا نان ونفقہ دیا جاتا ہو، اس سے زیادہ کا مطالبہ کرے تو اس کو نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر شوہر اتنے نفقہ میں بھی کمی کردے جو اس کے ہم جنسوں کے لئے متعارف اور معتاد ہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے اور اس کو اتنا نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے، پھر قانون سازی میں اس آیت کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "اس آیت میں نئے پیش آمدہ مسائل میں رائے کے ذریعہ اجتہاد سے کام لینے کے جواز کی دلیل موجود ہے، اس لئے کہ عرف کے مطابق نفقہ کا اندازہ کرنے میں گمان غالب اور رائے وقیاس سے زیادہ تر کام لینا پڑتا ہے، جب کہ یہ قابل اعتبار عرف وعادت کی وجہ سے ہے، جو چیز عرف وعادت پر مبنی ہوتی ہے اس میں اجتہاد اور گمان غالب پر اعتماد کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔" (٦)

اس طرح معروف بمعنی "عرف" کا استعمال غلام اجیر والی حدیث میں بھی پایا جاتا ہے: "وطعامه وكسوته بالمعروف"، اس کا کھانا کپڑا دستور کے مطابق ہوگا۔ اس کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے متعدد احکام منقول ہیں جو عربوں کے "عرف" پر مبنی ہیں، جن میں خرید وفروخت کے طریقوں سے لے کر نکاح میں کفاءت تک درجنوں مثالیں ہیں جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرف وعادت کا لحاظ فرمایا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقام ومرتبہ: یہاں یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ عرف شریعت اسلامی کا کوئی مستقل بالذات ماخذ نہیں ہے، بلکہ اس کی حیثیت اجتہاد واستنباط کے لئے ایک معاون اور موثر وسیلہ کی ہے جس سے قانون سازی، عدالتی فیصلوں اور بہت سے احکام شریعت کی تفہیم وتفسیر اور تعیین وتحدید میں کام لیا جاتا ہے۔ اسی بات کو شیخ عبدالوہاب خلاف نے اس طرح لکھا ہے کہ ''عرف کوئی مستقل بالذات قانون اور دلیل شریعت نہیں ہے کہ کسی پیش آمدہ واقعے یا مسئلے میں محض اسی کی بنیاد پر کوئی قانون بنایا جائے بلکہ وہ ایسا ماخذ اور دلیل ہے جس کے ذریعہ صاحب شریعت اور معاملہ کرنے والوں کے الفاظ کے سمجھنے اور عام میں تخصیص پیدا کرنے اور مطلق کو مقید کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے۔'' (۷)

عرف وعادت کے وجود میں آنے کے اسباب ومحرکات: انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو اس کے پیچھے اس کا کوئی سبب اور محرک ضرور ہوتا ہے۔ ابتداء یہ سبب اور محرک اس عمل کو ترغیب پیدا کرتا ہے اور پھر یہ ترغیب جب عملی صورت اختیار کرلیتی ہے تو عامل کو اس عمل سے ایک تعلق اور انس پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر وہ شخص یہی عمل مسلسل کرتا رہے تو وہ اس کی عادت بن جاتی ہے۔ کسی شخصی عادت کے رواج پانے کا یہی تدریجی طریقہ قوم ومعاشرہ میں رسوم و رواج اور عرف ومعمولات کے چلن کا بھی ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ یہ چیزیں معاشرہ کا لازمی جز بن جاتی ہیں اور ان قوانین پر اثر انداز ہوتی ہیں جو انسانی طبیعت اور مزاج کی رعایت سے بنائے جاتے ہیں، گویا عرف وعادت کے وجود میں آنے کے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

عرف کی قسمیں: عرف کی تقسیم دو نوعیتوں سے کی گئی ہے، ایک تو استعمال اور وضع کے اعتبار سے، دوسرے اہل استعمال کی عمومیت اور خصوصیت کے لحاظ سے۔ پہلی نوعیت کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں: اول: عرف لفظی۔ دوم: عرف عملی۔ اور دوسری نوعیت کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں: (۱)......عرف عام (۲)......عرف خاص (۳)......اور عرف شریعت

ذیل میں سب کی تعریف اور مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

عرف قولی: عرف قولی کی تعریف استاد احمد فہمی نے اس طرح کی ہے: ان العرف القولی ان تکون عادۃ اھل العرف یستعملون اللفظ فی معنی معین ولم یکن ذلك لغة العرف۔ (۸)

''عرف قولی یہ ہے کہ کسی لفظ کو عام لوگ ایک معین معنی میں استعمال کرتے ہوں اور لغت میں وہ اس معنی میں مستعمل نہ ہو۔''

اس تعریف کو ان مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔ (۱)......لفظ ''ولد'' لغت کی رو سے مذکر اور مونث دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور خود قرآن میں بھی اس کا استعمال اسی مفہوم میں ہوا ہے۔ (دیکھئے، سورۃ النساء: ۱۲) لیکن محاورہ اور عرف میں چونکہ یہ لفظ ''مذکر'' کے لئے ہی مخصوص ہوتا ہے اس لئے اب اگر کوئی شخص قسم یا طلاق وغیرہ کی بنیاد اس طرح کے جملے پر رکھے جس میں ولد کا لفظ استعمال ہوا ہو تو اس سے وہی مفہوم مراد لیا جائے گا جو عرف اور محاورہ میں عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ طلاق واقع ہونے یا قسم کے ٹوٹنے کا مدار اس لفظ کے عرفی معنی کے تحقق پر ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲)...... لحم (گوشت) کا لفظ سمک (مچھلی) کے لئے بھی لغت کی رو سے بولا جا سکتا ہے۔ خود قرآن مجید میں یہ لفظ مچھلی کے لئے استعمال ہوا ہے (النحل:۱۴) لیکن چونکہ عرف میں سمک کو لحم نہیں کہا جاتا، اس لئے جس شخص نے لحم نہ کھانے کی قسم کھائی ہو تو اس کی قسم سمک کھانے سے نہیں ٹوٹے گی اور یہاں وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو عرف میں عام طور سے سمجھے جاتے ہیں۔

عرف عملی: عرف عملی کی تعریف مصطفیٰ احمد الزرقاء نے ان الفاظ میں کی ہے: اما العرف العملی فھو اعتبار الناس علی شیء من الافعال العادیة او المعاملات المدنیة۔(۹)

عرف عملی یہ ہے کہ لوگ اپنے طبعی افعال یا تمدنی معاملات میں کسی خاص طرز یا کسی خاص طریقے کے عادی ہو جائیں۔

عرف عملی کی بہت سی مثالیں فقہاء نے بیان کی ہیں۔ چند مثالیں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں جن سے اس کی تعریف وحقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

(۱)...... بیع کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک طرف سے ایجاب اور دوسری طرف سے قبول ہو، لیکن عرف قائم یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ضرورت کی چیزیں دکان سے کچھ کہے بغیر اٹھا لے اور اس کی قیمت ادا کر دے، جسے "بیع تعاطی" کہتے ہیں۔ شریعت نے عرف قائم ہونے کی وجہ سے لفظی ایجاب وقبول کے بغیر ہی اس بیع وشراء کو جائز قرار دیا ہے۔

(۲)...... جو چیز کرایہ پر لی جائے اس کا کرایہ اصولاً اس کی منفعت سے مستفید ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے لیکن عرف اور تعامل کی وجہ سے یہ بات درست ہے کہ کرایہ دار منافع کے حصول سے پہلے ہی کرایہ ادا کر دے۔

(۳)...... نکاح کے بعد عورت کا مہر شوہر کے ذمہ ہو جاتا ہے لیکن اگر کہیں یہ عرف قائم ہو کہ مہر کا صرف ایک چوتھائی عقد کے وقت دیا جاتا ہے، باقی موخر کر دیا جاتا ہے تو عقد کے وقت صراحت نہ ہونے کی صورت میں عرف کی بنا پر درست ہو گا کہ مہر موخر یا مقدم ہونے کا فیصلہ اس کے مطابق کیا جائے اور شوہر وبیوی دونوں پر عرف کی پابندی لازم ہو گی۔

عرف عام: اوپر ذکر آیا ہے کہ استعمال کی عمومیت وخصوصیت کے لحاظ سے عرف کی تین قسمیں ہیں۔

عرف عام کی بہترین مثال "بیع استصناع" یعنی آرڈر کے ذریعہ اشیاء تیار کرانے کی ہے۔ یہ طریقہ قدیم زمانے سے رائج ہے اور موجودہ زمانے میں اسی کی بنیاد پر بڑے بڑے کارخانے اور فیکٹریاں قائم ہیں باوجودیکہ اصولی حیثیت سے اسے "بیع مالیس عندہ" (جو چیز ابھی اس کے پاس موجود نہ ہو) کے قاعدہ کے تحت جائز نہ ہونا چاہئے، مگر عرف عام کی وجہ سے اسے فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح پھل دار درخت کی فروخت کے بعد پکنے تک پھل کو درخت پر چھوڑے رکھنے کا رواج ہے ایسے تمام معاملات جنہوں نے موجودہ دور میں عرف عام کی حیثیت اختیار کر لی ہے ان کو قانونی طور پر عرف عام کی حیثیت دی جائے گی۔

عرف خاص: عرف خاص سے مراد ایسے رواج ومعمولات ہیں جو کسی خاص علاقے، پیشہ یا طبقہ میں رائج اور مشہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرف خاص: عرف خاص سے مراد ایسے رواج و معمولات ہیں جو کسی خاص علاقے، پیشہ یا طبقہ میں رائج اور مشہور ہوں، مثلاً عراق میں دابہ کا لفظ خاص طور پر گھوڑے کے لئے استعمال ہوتا ہے، حالانکہ اس کے لغوی معنی پیر سے چلنے والے جانور کے ہیں۔ اسی طرح بعض مقامات پر بنکروں کو سوت اس شرط پر دیا جاتا ہے کہ اس کا تہائی یا چوتھائی حصہ اس کی مزدوری کا ہے یا جن ملکوں میں کئی منزلہ مکانات ہوتے ہیں ان کی فروختگی یا کرایہ داری کے وقت لفٹ کی شرط بھی لگی ہوتی ہے۔

عرف خاص کی اقسام اور مثالوں کا استقصاء کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس میں بہت وسعت و تنوع ہے، غالباً اسی وجہ سے مصطفیٰ احمد الزرقاء نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ''عرف خاص بہت ہی متنوع ہے اور اس میں اتنی نئی نئی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں کہ ان کا حصر و تحدید ممکن نہیں ہے کیوں کہ انسانی مصالح اور ضروریات ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں۔'' (۱۰)

عرف شریعت: عرف شریعت دراصل عرف عام اور عرف خاص ہی کی ایک صورت ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ شریعت اسلامی کبھی لغت کے بعض الفاظ کو ایک مخصوص معنی میں استعمال کرتی ہے، مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج وغیرہ، ظاہر ہے شریعت اسلامی اس کو جس مفہوم میں استعمال کرتی ہے وہ لغوی معانی سے بہت مختلف ہے، ان الفاظ کا شرعی احکام کے سلسلے میں جہاں کہیں ذکر آئے گا تو وہاں اصطلاحی معنی میں مراد لیا جائے گا، لغوی نہیں۔ البتہ شریعت نے اگر کبھی تشبیہ و استعارہ یا مجازی طور پر کسی لفظ کو کسی عام معنی میں استعمال کیا ہو اور عام لوگوں کے عرف میں اس کے کوئی خاص معنی مراد ہوتے ہوں تو اس صورت میں عرف شریعت کے مقابلہ میں عرف اہل زمانہ کو ترجیح حاصل ہوگی، مثلاً قرآن نے زمین کے لئے ''فراش'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن عام طور سے ''فراش'' کا لفظ بچھانے والی اشیاء مثلاً بستر یا دری وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں فراش پر نہیں بیٹھوں گا، پھر زمین پر بیٹھ جائے تو قرآن کے استعمال کردہ لفظ کے مطابق اسے حانث ہونا چاہئے، لیکن عرف کی وجہ سے وہ اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا۔

شرائط عرف وعادت: عرف کی تشکیل اور قابل اعتبار ہونے کے لئے فقہاء نے کچھ شرطیں عائد کی ہیں، اگر عرف ان شرائط کی میزان پر پورا نہ اترے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، وہ شرطیں درج ذیل ہیں:

(۱)...... ''عرف عام ہو اور لوگ زندگی کے ہر معاملے میں اس کا لحاظ کرتے ہوں، ایسا تعامل جسے کبھی اختیار کیا جاتا اور کبھی ترک کردیا جاتا ہو، ''عرف'' نہیں قرار پائے گا۔

(۲)...... ''عرف'' انشاء تصرف کے وقت قائم ہو، یعنی دو آدمیوں کے درمیان اگر کوئی معاملہ طے پائے تو اس کے بارے میں نزاع کے لئے اس ''عرف'' کا اعتبار نہ ہوگا، جو معاملہ کے شروع ہوتے وقت لوگوں میں موجود تھا۔ ایسا عرف جو بعد میں قائم ہوگیا ہو، اس کو پہلے سے طے ہونے والے معاملے میں فیصل نہیں مانا جائے گا، کیوں کہ اس سلسلے میں یہ مسلم اصول ہے کہ عرف طاری نا قابل اعتبار ہوتا ہے، مثال کے طور پر مہر کی ادائیگی میں تقدیم و تاخیر کا اگر ذکر عقد نکاح کے وقت نہ کیا جائے تو عرف کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، لیکن اگر لوگوں کا تعامل بدل جائے اور نکاح کے وقت جو عرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا وہ باقی نہ رہے تو نئے عرف کا اطلاق اس معاملے پر نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی علاقے میں گوشت سے مراد بکرے کا گوشت لیا جاتا ہو اور کسی شخص نے گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی ہو تو اس کی قسم اسی وقت ٹوٹے گی جب وہ بکرے کا گوشت کھائے۔ کسی اور جانور کا گوشت کھانے سے وہ حانث نہ ہوگا۔

(۳)......تصریح عرف کے خلاف نہ ہو، مثال کے طور پر رواج تو صرف آدھا مہر مقدم دینے کا ہو لیکن نکاح کے وقت عورت نے یہ شرط لگا دی ہو کہ وہ پورا مہر معجّل لے گی اور شوہر نے اسے قبول بھی کر لیا ہو تو اب عرف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ صراحۃً عقد میں جو بات طے ہوئی ہے اسی کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ عرف کا سہارا لینے کی ضرورت تو وہاں پیش آتی ہے جہاں کسی معاملے میں عاقدین کا مقصد معلوم نہ ہو، ایسی صورت میں سکوت اس بات کا قرینہ ہوا کرتا ہے کہ معاملہ عرف کے مطابق ہوا ہے۔

(۴)......عرف کسی نص شرعی کے منافی اور اس کو غیر موثر کرنے کا باعث نہ ہو، کیوں کہ ایسا عرف جو نصوص شریعت کے مقاصد اور اس کی روح کے خلاف ہو، عرف فاسد کہلاتا ہے اور شریعت میں اعتبار صرف ''عرف صالح'' کا ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر شراب نوشی، قمار بازی، سودی کاروبار، رقص و سرور کی محفلیں، عورت و مرد کا بے محابہ اختلاط، فحش و عریاں تصویروں کی نمائش وغیرہ عرف بن جائیں، ضیافت میں حرام اشیاء پیش کرنا، یا منگیتر کے ساتھ عقد سے پہلے ہی بے تکلف سیر و تفریح کا رواج ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ اس طرح کے عرف کا شریعت میں اعتبار نہ ہوگا، بلکہ ایسی چیزوں کی روک تھام کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔

عرف کی تبدیلی کا احکام پر اثر: عرف اور زمانہ کی تبدیلی سے احکام کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے مجتہدین اور اصحاب افتاء کے لئے دیگر شرطوں کے علاوہ یہ شرط بھی لگائی ہے کہ انہیں عرف و عادت اور زمانہ کے حالات اور تقاضوں سے بھی بخوبی واقف ہونا چاہیے تاکہ زمانے کی ضروریات کو براہ راست سمجھ کر بروقت اس کا مناسب حل پیش کر سکے۔ تاریخ میں ایسی بہت سی نظیریں ملتی ہیں جن میں فقہاء نے عرف اور حالات کے تقاضے کی وجہ سے شرعی حکم میں تبدیلی کا فیصلہ کیا ہے۔ تقریب فہم کے لئے چند مثالیں درج کی جارہی ہیں:

(۱)......قرآن مجید کی تعلیم، اذان اور امامت سب ایسی عبادتیں ہیں جن کی ادائیگی آدمی آخرت کے اجر و ثواب کے لئے کرتا ہے۔ لہٰذا اصل کی رو سے ان فرائض کی ادائیگی پر اجرت لینا جائز نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ فقہاء پہلے یہی فتویٰ دیا کرتے تھے لیکن انہوں نے یہ دیکھا کہ سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے بیت المال دینی کام کرنے والوں کے لئے بند ہو گیا ہے اور امامت و تعلیم قرآن کے فرائض انجام دینے والوں کو اگر اپنی معاش کے لئے زراعت، تجارت، صنعت وغیرہ میں مصروف ہو جانا پڑے تو اس سے دین کا زیاں ہوگا اور دینی امور کی انجام دہی کے لئے کوئی نہیں ملے گا، چنانچہ متاخرین نے یہ فتویٰ دیا کہ امامت اور تعلیم قرآن وغیرہ کی اجرت لینا جائز ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲)......اجیر مشترک دھوبی اور درزی وغیرہ کو جو کپڑے ڈرائی کلین یا سلائی کے لئے دیئے جاتے ہیں وہ ان کے ہاتھوں میں امانت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور امانت اگر بغیر تعدی ضائع ہوجائے تو اس کا تاوان نہیں ہوا کرتا۔ اس قاعدہ کی رو سے اگر ان لوگوں سے کوئی نقصان ہوجائے تو ان پر تاوان نہ ہونا چاہئے مگر اس کی وجہ سے ان لوگوں کی طرف سے اہمال اور بے احتیاطی رونما ہونے لگی اور وہ بکثرت اس طرح کے دعوے کرنے لگے کہ مال ضائع ہوگیا، جس میں مالکوں کی کھلی حق تلفی تھی۔ چنانچہ فقہاء نے اس صورت حال کے پیش نظر تاوان واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے، تاکہ لوگوں کے مال کی حفاظت کی جاسکے۔ چنانچہ شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی عمومی قسم کی عصبیت اور حادثہ رونما ہوجائے جیسے زلزلہ اور آتش زدگی وغیرہ تو اجر مشترک ضائع شدہ مال کا تاوان ادا نہ کرے گا۔

(۳)......امام ابوحنیفہؒ کا زمانہ ''خیر القرون'' کا زمانہ تھا اس لئے ان کے زمانے میں حق گوئی اور صداقت کا جذبہ لوگوں کے دلوں میں زیادہ تھا، اور دروغ گوئی کا رجحان بہت کم تھا۔ اس لئے امام صاحب گواہوں کی ظاہری عدالت کو کافی قرار دیتے تھے اور گواہوں کے ثقہ ہونے کے لئے شہادت پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے جب اس بارے میں لوگوں کو بے احتیاطی کرتے دیکھا تو انہوں نے گواہوں کی شہادت کے لئے تزکیہ وشہادت کو ضروری سمجھا، چنانچہ حالات کی تبدیلی نے انہیں مجبور کیا کہ وہ فتویٰ میں تبدیلی کریں۔

(۴)......امام ابوحنیفہؒ بادشاہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے جبر کو ''اکراہ'' قرار نہیں دیتے تھے، کیونکہ ان کے زمانے میں قوت کا مظاہرہ صرف بادشاہ کی طرف سے ہوا کرتا تھا، لیکن بعد میں جب ڈاکہ زنی، اور جبر واکراہ کے واقعات کی عام لوگوں کی طرف سے زیادتی ہوگئی تو امام صاحب کے دونوں شاگردوں امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے یہ بات تسلیم کی کہ اکراہ کا معاملہ سلطان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے مطابق فتویٰ دیا۔

(۵)......صحیح روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں مساجد میں نماز پڑھنے جایا کرتی تھیں، لیکن جب معاشرہ میں خرابی پیدا ہونے لگی تو صحابہ کے زمانے ہی میں عورتوں کو مساجد آنے سے روک دیا گیا کیوں کہ ان کی آمد فتنہ کا سبب بن سکتی تھی۔

حوالے: (۱)......رسائل ابن عابدین: ۱۱۴/۲، الاشباہ والنظائر، الطبعۃ الاولیٰ، دارالفکر دمشق ۱۹۸۳ء: (۲)......خلاف علم اصول الفقہ ص ۹۹، دارالقلم کویت ۱۹۲۰ء: (۳)...... ابن عابدین اور ابن نجیم وغیرہ کی متعلقہ کتابیں: (۴)......جصاص: احکام القرآن ۳۸/۲: (۵)......ایضاً: (۶)......ایضاً ۴۰۴/۶: (۷)......مصادر التشریع الاسلامی فیما لانص فیہ ص ۱۲۶: (۸)......احمد فہمی، العرف والعادۃ فی رای الفقہاء: ۱۹، قاہرہ ۱۹۴۹ء: (۹)......احمد الزرقاء المدخل الفقہی العام ۸۳۸/۲، دمشق ۱۹۸۳ء: (۱۰)......المدخل الفقہی العام: ۸۳۹/۲:

☆......☆......☆

© rasailojaraid.com